قواعدِ فقہیہ کے مصادر و مراتب اور اسالیب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

A research based and analytical study of the sources, hierarchies, and methodologies of legal principles in Islamic jurisprudence

Hafiz Muhammad Kashif
Phd Scholar Department of Usool ul Deen University of Karachi
Email: 786kashif2015@gmail.com

Hafiz Muhammad Waseem Yaseen
PhD Scholar NCBA&E Sub campus Multan
Email: Waseemm35@gmail.com

Asad Lateef
M.Phil Scholar Riphah International University Faisalabad Campus
Email: asadlateef20@gmail.com

Abstract

The religion of Islam is a comprehensive and everlasting faith that provides its followers, from its inception to the Day of Judgment, with sufficient solutions to the events and issues they encounter. Its fundamental sources are the Quran and Sunnah (the teachings and practices of Prophet Muhammad), followed by consensus (Ijma) and analogical reasoning (Qiyas). Through expertise in Quranic sciences, insight, traditions, and the general spirit of the faith, Islamic jurists (Fuqaha) derive principles and rules to address new issues. If a solution to a problem is not apparent from the religious sources, it can be addressed through the illumination of legal principles (Qawaid al-Fiqhiyyah). This allows individuals, after acquiring expertise, to align the perspective of Islamic law on their daily life matters. The study of legal principles holds a significant position in Islamic sciences, as it encompasses the entirety of jurisprudential knowledge and provides a comprehensive understanding of Islamic law. The knowledge of legal principles not only deepens the understanding of Islamic jurisprudence but also organizes and systematizes diverse legal issues. It assists in implementing a coherent legal system. Studying legal principles is essential for creating familiarity with the fundamental spirit and general thought process of Sharia. It aids in creating coherence in understanding and remembering the details of legal rulings. As Imam al-Qarafi said, one who memorizes jurisprudence with its legal principles becomes independent of memorizing its many details because details fall under the general principles.

Keywords: Qwaid e Fiqhiyyah, Islamic jurisprudence, Legal principles in Islamic jurisprudence, Ijma, Qias

فقہ کی اساس "اصولِ فقہ" پر ہے جس میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے متعلق اصولی مباحث ہوتے ہیں اور یہی فقہ کے دلائل ہیں۔ فقہ سے متعلق ایک اور مفید اور دلچسپ علم "قواعد فقہیہ" کا ہے جس کی طرف متقدمین فقہاء نے

کافی توجہ دی ہے زیر نظر مضمون میں قواعد فقہیہ کے مفہوم کے بعد ان کے مصادر اور اسالیب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

قواعدِ فقہیہ کی حد اضافی:

چونکہ یہ اصطلاح(القَوَاعِدالفِقهِيَّة)دو لفظوں(القَوَاعِد اور الفِقهِيَّة)سے مرکب ہے، لہٰذا اس مرکب اصطلاح کی تعریف کرنے کے لیے مذکورہ دونوں لفظوں کی تعریف ضروری ہے۔

القَوَاعِد کی تحقیق:

القواعد، القاعدة کی جمع ہے اور قاعدہ کی دو تعریفیں ہیں۔ ایک لغوی تعریف، دوسری اصطلاحی تعریف۔

قاعدہ کی لغوی تعریف:

جہاں تک قاعدہ کی لغوی تعریف کا تعلق ہے تو قاعدہ کا مادہ (حروفِ اصلیہ)قعد (قاف، عین اور دال) ہے جس کا ایک معنیٰ استقرار و ثبات (ٹھہر جانا اور ثابت ہونا) ہے۔ چنانچہ ہر وہ لفظ جس میں یہ مادہ پایا جاتا ہے تو وہ اسی معنیٰ کی طرف مشعر ہے جیسے

"المرأة قعيدة الرجل"،"المرأة الثابتة فى بيت زوجها والمستقرة فيها"(وہ عورت جو اپنے شوہر کے گھر میں موجود اور ٹھہری ہوئی ہو) کے معنیٰ میں ہے۔ اسی طرح"القواعد من النساء" کا معنیٰ ہے"النساء القاعدات و المستقرات فى بيوت آبائهن أو اوليائهن"(یعنی وہ عورتیں جو اپنے والدین یا اپنے سرپرستوں کے گھروں میں بیٹھنے والی ہوں) اور اسی معنیٰ کی رو سے "الرجل اللئيم" کو"القعدد" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مکارم اخلاق سے بیٹھ چکا ہے۔(اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں کرتا) چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے"(القعدد)الجبان والخامل يقْعد عَن المكارم"[1] قاعدہ کا دوسرا معنیٰ اساس و اصل (بنیاد) ہے۔ اسی سے "قواعد البيت" بمعنیٰ اسس البيت"(گھر کی بنیادیں) مستعمل ہے[2] چنانچہ قرآن کریم میں ہے"و اذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسماعيل"[3](اور (یاد کیجیے!) جب اٹھاتے تھے ابراھیم (خانہ) کعبہ کی بنیادیں اور اسماعیل (بھی))۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا"قد مكر الذين من قبلهم فأتى الله بنيانهم من القواعد فخر عليهم السقف من فوقهم وأتاهم العذاب من حيث لا يشعرون"[4](بے شک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی تو ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں خیال تک نہ تھا)۔ اسی معنیٰ کی رو سے ہودج کے نیچے لکڑیوں کو"قواعد الهودج" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی ہودج کے لیے بنیاد کی طرح ہوتی ہیں اور کسی ملک کے دار الحکومت کو بھی"قاعدہ"اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس ملک کے لیے بمنزلہ بنیاد کے ہوتا ہے۔

قاعدہ کا تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ قاعدہ اگر قعود سے مأخوذ ہو تو یہ لغت میں قیام کی نقیض (جلوس) کے معنیٰ میں ہوتا ہے چنانچہ ابن فارس نے کہا" القاف و العین و الدال أصل مطرد منقاس لایخلف و ھو یضاھی الجلوس و ان کان یتکلم فی مواضع لا یتکلم فیھا الجلوس"[5](قعود،جلوس کے مشابہ ہے اگرچہ یہ کئی ایسے مقامات میں بھی بول لیا جاتا ہے جن میں جلوس نہیں بولا جاتا)۔ اسی معنیٰ کی رو سے شوال و ذوالحج کے درمیان والے مہینہ کو"ذوالقعدۃ" کہتے ہیں کیونکہ عرب اس مہینے میں جنگ اور سفر سے بیٹھ جاتے تھے (جنگ اور سفر نہیں کرتے تھے)[6] اور بوڑھی عمر رسیدہ عورت کو بھی اسی معنیٰ کی رو سے"المرأۃ القاعدۃ" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بچے پیدا کرنے اور حیض آنے سے بیٹھ چکی ہوتی ہے۔[7]

تجزیہ و تبصرہ:

اصلاحِ زیر بحث (القَوَاعِدالفِقهِيَّة) میں القَوَاعِد اپنے راجح اور غالب معنیٰ اساس و بنیاد کے معنیٰ میں ہو سکتا ہے کیونکہ احکام فقہیہ ان قواعد فقہیہ پر اسی طرح مبنی ہوتے ہیں جس طرح دیواریں اور چھتیں گھروں اور عمارتوں کی اساس و بنیاد پر مبنی ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ"القَوَاعِدالفِقهِيَّة" میں قاعدہ کا اصلی اور بنیادی معنیٰ استقرار و ثبات مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ احکام فقہیہ انہی قواعد فقہیہ کے ساتھ ثابت و مستقر (فی الذھن) ہوتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ قاعدہ کے پہلے دونوں معانی (استقرار و ثبات اور اساس و اصل) اس اصطلاح میں مراد لیے جا سکتے ہیں البتہ تیسرا معنیٰ (یعنی جلوس) اس پر صادق آتا ہوا نظر نہیں آتا۔

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف:

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف بیان کرنے سے قبل یہ وضاحت موزوں رہے گی کہ علماء کے ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا قاعدہ، قضیہ کلیہ ہے یا قضیہ اکثریہ و اغلبیہ؟ چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے قاعدہ کی اصطلاحی تعریف میں علماء کی عبارات مختلف ہیں۔ چنانچہ جنہوں نے قاعدہ کو قضیہ کلیہ سمجھا تو انہوں نے قاعدہ کی اصطلاحی تعریف ایسے الفاظ سے بیان کی جو کلیت پر دلالت کرتے ہیں جبکہ وہ حضرات جنہوں نے قاعدہ کے مشتقات کو قضیہ اکثریہ و اغلبیہ گردانا تو انہوں نے قاعدہ کی تعریف میں وہ الفاظ ذکر کیے جو اکثریت و اغلبیت پر دال ہیں۔ ذیل میں ہر دو فریق کی بیان کردہ تعریفات پر مشتمل چند عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

قائلینِ کلیت کی بیان کردہ تعریفاتِ اصطلاحیہ:

علامہ میر سید شریف جرجانی قاعدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں"القاعدۃ ھی قضیۃ کلیۃ

منطبقة علیٰ جمیع جزئیاتھا"[8](یعنی قاعدہ ایسا قضیہ کلیہ ہے جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہو)۔ علامہ احمد بن محمد بن علی فیومی حموی بھی علامہ شریف جرجانی کے ہم مشرب نظر آتے ہیں کہ معمولی اختلاف کے ساتھ انہوں نے بھی قاعدہ کی یہی تعریف کی چنانچہ فرماتے ہیں"القاعدةفی الاصطلاح بمعنیٰ الضابط و ھی الامر الکلی المنطبق علیٰ جمیع جزئیاته"[9]اسی طرح علامہ حموی نے شرح الأشباہ والنظائر لابن نجیم میں ایک تعریف ان الفاظ میں تحریر کی ہے کہ" حکم کلی ینطبق علیٰ جمیع جزئیاته لتعرف احکامھا منھا"[10](قاعدہ وہ کلی حکم ہے جو اپنے تحت مندرج تمام جزئیات پر منطبق ہو تا کہ ان جزئیات کے احکام اس قاعدہ سے جانے جاسکیں۔)

بہر حال اس نقطۂ نظر کے لوگوں کی بیان کردہ تعریفات سے بمصداق "مشتے نمونہ از خروارے" انہی تعریفاتِ ثلاثہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورنہ معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ متعدد دیگر حضرات کی بیان کردہ تعریفات پیش کی جاسکتی ہیں (جو کہ اطناب بلکہ اسہاب ہونے کے ناطے تطویل بلاطائل کا مصداق ہو گا) الغرض مذکورہ بالا تعریفاتِ ثلاثہ میں قضیہ کلیہ، امر کلی یا حکم کلی کے ذریعے اگرچہ تنوع فی العبارات تو عیاں ہے مگر مدعا و مقصود ایک ہی ہے۔

قائلینِ اکثریت و اغلبیت کی بیان کردہ تعریفاتِ اصطلاحیہ:

وہ حضرات علماء کرام جنہوں نے قواعدِ فقہیہ کے مستثنیات کی طرف نظر کر کے ان قواعد کے اکثری یا اغلبی ہونے کا قول کیا ان کی بیان کردہ تعریفات میں سے چند تعریفیں ملاحظہ ہوں۔ علامہ حموی شارح الاشباہ والنظائر نے غمز العیون میں جو تعریفیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "القاعدة عند الفقہاء ھی حکم اکثری لا کلی ینطبق علیٰ اکثر جزئیاته لتعرف احکامھا منھا"[11](یعنی فقہاء کے ہاں قاعدہ وہ اکثری حکم ہے نہ کہ کلی، جو اپنی اکثر جزئیات پر اطلاق ہو تا ہو، تا کہ ان جزئیات کا فقہی حکم اس قاعدہ سے معلوم کیا جاسکے) علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے حموی کی طرف منسوب کر کے یہ تعریف ذکر کی کہ "حکم اغلبی ینطبق علیٰ معظم جزئیاته"[12] (اکثریت پر مبنی ایسا حکم جو اپنے تحت مندرج بیشتر جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو)۔

تجزیہ و تبصرہ:

مذکورہ بالا تعریفات میں ہر دو گروہ نے جس طرح قاعدہ کے قضیہ کلیہ یا اغلبیہ و اکثریہ ہونے میں اپنی آراء کا اظہار کیا اسی طرح ان حضرات نے ایک دوسرا اختلاف بھی نوٹ کرایا ہے وہ یہ ہے کہ جن حضرات نے قاعدہ کو قضیہ کلیہ گردانا انہوں نے اس قاعدہ کو اپنے تحت مندرج تمام جزئیات پر منطبق و حاوی قرار دیا جبکہ وہ حضرات جنہوں نے قاعدہ کو قضیہ اغلبیہ سمجھ کر تعریف کی تو انہوں نے اس قاعدہ کے تحت آنے والی جزئیات میں بھی اس

بات کو مد نظر رکھا اور کہا کہ وہ اکثر جزئیات پر اطلاق ہوتا ہے، تمام جزئیات پر نہیں البتہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی بیان کردہ تعریف میں اس فرق کو روا نہیں رکھا اور ترجیح کی زحمت اٹھائے بغیر دونوں کا مجموعہ ہی ذکر کر دیا ہے۔

قائلینِ عدمِ امتیاز کی بیان کردہ تعریفاتِ اصطلاحیہ:

چنانچہ ابن رستم باز نے شرح المجلہ میں لکھا کہ "حكم كلي أوغالب ينطبق على جزئيات كلهاأوأكثرها"[13] (وہ ایسا حکم ہے جو کلی ہو یا اکثری ہو اور اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہو جاتا ہو) اسی طرح درر الحکام میں علی حیدر نے لکھا کہ "هو الحكم الكلى اوالاكثرى الذى يراد به معرفة حكم الجزئيات"[14] (وہ کلی یا اکثری حکم جس کے ذریعے جزئیات کا حکم پہچاننے کا ارادہ کیا گیا ہو)۔

محاکمہ:

ہر سہ فریق کی بیان کردہ تعریفات ان لوگوں کے لیے تو مفید ہیں جن کے ذہن میں قبل ازیں قواعدِ کلیہ کا تصور موجود ہو ورنہ وہ لوگ جو قواعدِ کلیہ کے تصور سے ہی خالی الذہن ہوں تو ان کے لیے صرف ان تعریفوں کی مدد سے قاعدہ کلیہ کا صحیح تصور حاصل کرنا دشوار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ قواعدِ فقہیہ اگرچہ کلیہ کہلاتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر یہ قواعد، کلیہ نہیں ہوتے بلکہ اکثریہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے تمام تعریفوں میں اس بات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

علامہ مصطفیٰ احمد الزرقا اور قاعدہ اصطلاحی کی تعریف:

علامہ مصطفیٰ احمد الزرقا اپنے والد کی کتاب شرح القواعد الفقہیہ کے مقدمہ رقم طراز ہیں کہ "اصول فقهية كليةفى نصوص موجزة دستورية تتضمن احكاما تشريعية عامة فى الحوادث التى تدخل تحت موضوعها"[15] (ایسے عمومی فقہی قوانین جن کو مختصر قانونی زبان میں مرتب کیا گیا ہو اور جن میں ایسے عمومی، قانونی اور فقہی احکام بیان کیے گئے ہوں جو اس موضوع کے تحت آنے والے حوادث و واقعات کے بارے میں ہوں) یہ تعریف مذکورہ بالا دیگر تعریفات سے زیادہ واضح ضرور ہے، مگر اس میں اس قدر ایجاز و اختصار نہیں ہے جو اولینِ سابقین نے اپنی مرتب کردہ تعریفات میں ملحوظ رکھا تھا۔

علامہ حموی اور قاعدہ کلیہ کی تعریف:

علامہ حموی، صاحبِ غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ و النظائر نے عام قاعدہ اور قاعدہ کلیہ کی الگ الگ تعریفیں کی ہیں چنانچہ ان کے الفاظ میں قاعدہ کلیہ کی تعریف ہے" القواعد التى لم تدخل قاعدة منها تحت

قاعدة اخرىٰ و ان خرج منها بعض الأفراد"[16](قواعد کلیہ سے مراد وہ قواعد ہیں، جن میں سے کوئی قاعدہ کسی دوسرے قاعدہ کے ماتحت نہیں آتا، چاہے اس کی اپنی بعض جزئیات اس سے باہر ہی کیوں نہ رہتی ہوں)اور مطلق قاعدہ فقہیہ کی تعریف آپ کے حوالہ سے اس سے قبل تحریر کی جاچکی ہے۔ واضح رہے اگرچہ یہ علامہ حموی کا تفرد ہے، مگر یہ بات کافی حد تک موزوں اور اہل اصطلاح کے عمومی مزاج سے قریب تر ضرور ہے۔

قاعدہ بمعنیٰ ضابطہ:

قاعدہ کا ایک معنیٰ ضابطہ بھی ہے اور ضابطہ اس امر کلی کو کہا جاتا ہے جو جزئیات پر منطبق ہو مثلاً ایک ضابطہ ہے کہ "كل أذون ولودوكل صموخ بيوض"[17](ہر وہ جانور جس کے خارجی کان ہوں تو اس کی نسل ولادت کے طریقہ پر بڑھتی ہے جیسے بلی وغیرہ اور جس کے خارجی کان نہ ہوں بلکہ محض کان کے سوراخ ہوں تو اس کی افزائش نسل انڈوں سے ہوتی ہے جیسے مرغی وغیرہ)[18]

قاعدہ کے مترادفات:

قاعدہ کو بسا اوقات کئی دیگر الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ اس کے ہم معنیٰ ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔ اصل، اساس، مبداء، قانون، مسئلہ، ضابطہ، قضیہ، دلیل، دستور وغیرہ۔ یہ تعبیرات قدیم و جدید علماء کے کلام میں پائی جاتی ہیں مگر مشہور استعمال اور شائع و ذائع تعبیر لفظ قاعدہ ہی ہے کیونکہ اس کے علمی اصطلاحی مدلول پر علماء میں موافقت پائی جاتی ہے۔

ضابطہ کا لغوی معنیٰ:

ضابطہ، ضبط يضبط (ن،ض) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ضبط کا معنیٰ ہے کسی چیز کو لازم ہونا اور اس کو مضبوطی سے پکڑنا۔[19] ضبط الشئ کا معنیٰ ہے اس چیز کو ہوشیاری اور قوت کے ساتھ محفوظ کرنا اور یاد کرنا اور رجل ضابط بمعنیٰ حازم (ہوشیار) بولا جاتا ہے۔[20]ضبط الكتاب کا معنیٰ ہے کتاب کے خلل کو دور کرنا اور اس کی اصلاح کرنا۔ اور ضبط کا ایک معنیٰ کسی کو مضبوط اور پختہ کرنا بھی ہے اور بھی ضبط کے کئی معانی ہیں جن میں سے اکثر معانی حصر، حبس اور قوت کے معانی پر مشتمل ہیں[21]اور ضابطہ کو ضابطہ بھی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی اپنے تحت آنے والی فروع کو حصر کرتا ہے اور روکتا ہے۔[22]

ضابطہ کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں ضابطہ کی تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ "حكم أغلبي يتعرف منه أحكام

الجزئيات الفقهيه المتعلقة بباب واحد من أبواب الفقه مباشرة"(وہ اکثری حکم جس سے ابواب فقہیہ میں سے کسی ایک باب سے متعلقہ جزیات فقہیہ کے احکام جانے جاسکتے ہیں)۔

الفقهية کی تحقیق

"الفقهية"الفقه سے اسم منسوب کا صیغہ ہے۔ فقہ کی دو تعریفیں ہیں، لغوی اور اصطلاحی۔

فقہ کی لغوی تعریف:

فقہ کا لغوی معنیٰ سمجھنا اور جاننا ہے۔ یہ لفظ دو ابواب سے مستعمل ہے فَقِهَ يَفقَهُ فِقهاً (از بابِ سَمِعَ) بمعنیٰ فَهِمَ(وہ سمجھ گیا)اور فَقُهَ يَفقُهُ فَقَاهَةً(ازبابِ كرم) بمعنیٰ عَلِمَ(اس نے جانا)۔[23]

بنیادی طور پر فقہ کے مادہ میں فتح(کھولنے)اور شق(پھاڑنے)کے معنیٰ پائے جاتے ہیں چنانچہ مشہور کتاب لغت لسان العرب میں ہے"اشتقاقه من الشق والفتح"[24]ایک قول یہ ہے کہ فقہ کا معنیٰ ہے " العلم الدقيق بالاشياء"(یعنی اشیاء کی باریک جانکاری)ایک قول میں"السبق فی الفہم"کو فقہ کہا گیا اور بعض نے فهم وافہام کو فقہ گردانا ہے۔

بہر حال فقہ از روئے لغت مطلقاً فہم کا نام ہے عام ازیں کہ وہ ظاہر ہو یا خفی اس پر علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان"**قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ**"[25]اور"**وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ**"[26] سے استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں آیات مطلقاً فہم کی نفی پر دلالت کر رہی ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ"فقه، شئ" دقیق کا جاننا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ"فقهت كلامک"تو کہا جاتا ہے(یعنی کہ تیرے کلام میں جو اسرار ورموز ودیعت رکھے ہیں، میں نے انہیں جان لیا)"لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ"فقهت السماء و الارض"(کہ میں نے آسمان وزمین کو سمجھ یا جان لیا)۔اور قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ لفظ" فقه شئ "دقیق کے ادراک پر دلالت کرنے کے لیے ہی وارد ہوتا ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے"**وَهُوَالَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ**"[27]

پہلی دو آیات کا جواب:

پہلے ذکر کی گئی دونوں آیات میں مطلق فہم کی نفی نہیں ہے بلکہ قوم شعیب کے قول" **مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ**" میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے اسرار ورموز کے ادراک کی نفی کی گئی ہے ورنہ آپ کے قول کے ظاہر کو تو وہ لوگ سمجھتے تھے۔ اسی طرح آیت اسراء میں جو نفی کی گئی ہے وہ ہر چیز کی اللہ تعالیٰ کے لیے کی جانے

والی تسبیح کے اسرار و رموز کے ادراک کی نفی ہے ورنہ تو، وسیع عقل و شعور رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والی ہے، خوشی خوشی یا مجبوری سے۔

حاصلِ کلام:

بہر حال جو بھی معنیٰ ہو ہماری مراد تو وہ معنیٰ ہے جو فقہاء اور اصولیین کی اصطلاح میں فقہ کا معنیٰ ہے، کیونکہ ہماری بحث اس سے متصل ہے اور یہ معنیٰ فہم وفطنت یعنی شئ کو جاننا اس کو سمجھنا ہے۔ بہر حال یہ لفظ بعد میں علم دین کی سیادت و شریعت اور باقی علوم پر اس کی فضیلت کی وجہ سے علم دین کے ساتھ خاص ہو گیا؛ چنانچہ تاج العروس میں ہے "وَقد(غَلَبَ عَلىٰ عِلْمِ الدّين لِشَرَفه وسِيَادَته وَفَضْلهِ عَلىٰ سَائِرِ أَنْوَاعِ الْعِلْمِ"[28]

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

فقہ کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء نے اپنے اپنے انداز میں متقارب المعنیٰ الفاظ سے بیان کی ہے چنانچہ بعض نے اس کی تعریف کی کہ " هو العلم بالاحكام الشرعية العملية المكتسب من ادلتها التفصيلية"[29](احکام شرعیہ عملیہ کا علم جو ان کی تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہو فقہ کہلاتا ہے)۔ اور بعض نے کہا"هوالإصابة والوقوف علىٰ المعنى الخفي الذي يتعلق به الحكم"[30](اس خفی معنیٰ پر مطلع ہونا جس کے ساتھ حکم متعلق ہے)امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تعریف بایں الفاظ مروی ہے کہ"الفقه معرفة النفس مالها و ما عليها"[31]

قواعدِ فقہیہ کی حد لقبی:

قواعد اور فقہیہ کی علیحدہ علیحدہ لغوی و اصطلاحی تعریف کر لینے کے بعد اب قواعد فقہیہ کی ایک علم اور فنونِ شرعیہ اسلامیہ میں سے ایک فن کے طور پر اصطلاحی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ سو قواعد فقہیہ بالکل اسی طرح ایک شرعی اسلامی علم ہے جس طرح علمِ اصول، علمِ فقہ، علمِ حدیث اور علمُ المقاصد وغیرہ ہیں۔

پس قواعد فقہیہ ایک ایسا علم ہے، جس سے مقصود فروعِ فقہیہ کو جمع کرنا اور ان کو جامع اور عام صیغوں اور جملوں میں محصور کرنا ہے تاکہ ان کی طرف رجوع آسان ہو جائے اور ان کو حفظ کرنا اور مستحضر رکھنا اور ان سے استشہاد کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ علماء نے زمانۂ قدیم و جدید میں قواعدِ فقہیہ کی جو تعریفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

ابو عبد اللہ مقری مالکی کی بیان کردہ تعریف:

علامہ امام ابو عبد اللہ مقری مالکی (متوفیٰ ۷۵۷ھ) نے قواعدِ فقہیہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی

کہ"القواعد الفقهية هي كل كلى هو أخص من الاصول و سائر المعانى الضوابط الفقهية الخاصة" (ہر وہ کلی جو اصول اور تمام معانی عقلیہ عامہ سے خاص اور عقود اور عام خاص فقہی ضابطوں سے عام ہو)۔[32]

شہاب الدین حموی حنفی کی بیان کردہ تعریف:

علامہ شہاب الدین حموی حنفی(متوفیٰ۱۰۹۸ھ)لکھتے ہیں" هي حكم اكثرى لا كلى ينبطق علىٰ اكثر جزئياته لتعرف احكامها منه"[33](قواعد فقہیہ وہ اکثری حکم ہے نہ کہ کلی جو اپنی اکثر جزئیات پر منبطق ہو تاکہ ان جزئیات کے احکام اس سے پہچانے جائیں)۔

محققینِ عصر کی بیان کردہ تعریفات:

دور جدید کے علماء میں سے علی احمد ندوی نے قواعد فقہہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا"هي اصل فقهى كلى يتضمن احكاما شرعية عامة من ابواب فقهية متعددة فى القضايا التى تدخل تحت موضوعه"(وہ فقہی اصل کلی جو متعدد ابواب فقہیہ کے شرعی احکام عامہ کو متضمن ہو جو ان قضایا میں ہوں جو اس اصل کلی کے موضوع کے تحت داخل ہیں)۔ محقق عصر محمد روکی نے لکھا کہ "هي الكلية الفقهية التى تندرج فيها و تخرج عليها فروع وجزئيات فقهية كثيرة من جنس تلك الكلية"(وہ فقہی کلیہ جس میں اس کلیہ کی جنس کے کثیر فقہی جزئیات و فروع داخل ہوں اور جس پر ان کی تخریج کی جائے وہ قواعد فقہیہ ہیں)۔ احمد بن حمید نے قواعد فقہیہ کی تعریف میں لکھا" هي حكم اغلبى يتعرف منه حكم الجزئيات الفقهية مباشرة"[34](وہ اکثری اور اغلبی حکم جس سے فقہی جزئیات کا حکم بلا واسطہ پہچانا جائے)۔ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقا تحریر کرتے ہیں:"هي مبادئ و اسس فقهية يتضمن كل منها حكما عاما"[35](وہ فقہی قواعد و اصول جن میں سے ہر ایک کسی عام حکم کو متضمن ہو)۔ عبدالرحمٰن شعلان بیان کرتے ہیں:"هي حكم كلى فقهى ينبطق علىٰ جزئيات كثيرة من اكثرمن باب"(وہ فقہی کلی حکم جو ایک سے زیادہ ابواب سے متعلقہ کثیر جزئیات پر منبطق ہو)۔[36]تاہم مختار یہ ہے کہ قواعد فقہیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی جائے کہ" المبداءالفقهى الكلى الذى يحوى جزئياته"

المبدأ:۔ یہ اساس اور اصل کے معنیٰ میں ہے۔الفقهى:۔ یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ یہ مبداء فقہ اسلامی کے میدان میں واقع ہونا چاہیے تاکہ قواعد اصولیہ اور لغویہ نکل جائیں۔الكلى:۔ یہ مبداء اپنی تمام جزئیات و فروع کو عام اور شامل ہو۔جزئياته:۔ یہ اس مبداء کلی کی فروع ہیں اب چونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ جزئیات، کل جزئیات ہوں یا اغلب جزئیات، اس لیے لفظ کل یا اغلب سے قطع نظر صرف لفظ جزئیات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

قواعد فقہیہ: ضرورت و اہمیّت مراتب و مصادر اور اسالیب

علامہ قرافی قواعد فقہیہ کی اہمت اور ان کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں"وھٰذه القواعد مهمة فى الفقه عظيمة النفع و بقدر الاحاطة بها يعظم قدر الفقيه و يشرف ويظهر رونق الفقه و يعرف و من جعل يخرج الفروع بالمناسبات الجزئية دون القواعد الكلية تناقضت عليه الفروع و اختلفت و احتاج الى حفظ الجزئيات التى لاتتناهى و من ضبط الفقه بقواعده استغنى عن حفظ اكثر الجزئيات لاندراجهافى الكليات و اتحد عنده ما تناقض عند غيره وتناسب"(37)

اور علامہ ابن نجیم قواعد فقہیہ کے فوائد و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں"الاول:فى معرفة القواعد التى ترد اليها وفرعوا الاحكام عليهاوهى اصل الفقه وبهايرتقى الفقيه الى درجة الاجتهاد ولو بالفتوىٰ"(38)(اول: ان قواعد کی معرفت و پہچان کے بیان میں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور جن پر فقہاء نے احکام متفرع کیے ہیں اور یہی قواعد ہی فقہ کی اصل و بنیاد ہیں اور انہی کے ذریعے فقیہ اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اگرچہ فتویٰ نویسی کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو)

قواعد فقہیہ کے فوائد و اہمیت کو ذیل میں اختصار کے ساتھ سلسلہ وار بیان کیا جاتا ہے۔

1) قواعد فقہیہ، ذخیرۂ فقہ کے معتبر اور مسلّم اصول ہیں اور فقہائے کرام کے طریقۂ استدلال و استخراج سے آگاہ ہونے کے لیے ان کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

2) قواعدِ فقہیہ کے مطالعہ سے احکامِ فقہیہ کے ساتھ قدرے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

3) قواعدِ فقہیہ کے مطالقہ سے فقہ میں رسوخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

4) کتبِ فقہیہ میں پھیلے مختلف مسائل فقہیہ کو مرتب کر کے ایک مضبوط قانونی نظام کے تحت لانے میں مدد ملتی ہے۔

5) احکامِ فقہیہ کے پسِ منظر میں جو عمومی اندازِ فکر کار فرما ہے اس سے ایک گونہ واقفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

6) فروع و جزئیات فقہیہ کو ان کی کثرت کی وجہ سے بتامہا پڑھنا اور محفوظ رکھنا قریب بہ محال ہے، اس لیے طالب علم اور فقیہ قواعدِ فقہیہ اگر پڑھ لے تو چونکہ یہ اپنی غیر محصور جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں لہٰذا وہ یہ قواعدِ فقہیہ یاد کر کے فروعِ متشابہ و متناظرہ کو ان پر متفرع کر سکتا ہے۔ اسی بناء پر اس علم کا نام "علم الاشباه و النظائر" بھی رکھا گیا ہے۔ اور علامہ امام جلال الدین سیوطی "علم الاشباه والنظائر" کی اہمیت و افادیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ "اعلم ان فن الاشباه و النظائر فن عظيم، به

يطلع علىٰ حقائق الفقه و مداركه وماخذه و اسراره و يتمهر فى فهمه و استحضاره و يقتدر على الالحاق و التخريج و معرفة المسائل التى ليست بمسطورة و الحوادث و الوقائع التى لا تنقضى على مر الزمان و لهٰذا قال بعض اصحابنا: الفقه معرفة النظائر "[39]

1. سو قواعدِ فقہیہ، احکامِ فقہیہ کے ضبط و حصر اور مسائل فرعیہ کے حفظ و جمع کو آسان تر بناتے ہیں۔

7) قواعدِ فقہیہ سے آگاہی کے بعد فقیہ کو روز مرہ زندگی کے معاملات میں شریعت کے نقطۂِ نظر کو جاننا اور اپنے معاملات پر منطبق کرنا سہل ترین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ "مجلة الاحكام العدليه" دفعہ: 1 میں ہے:"وتلك القواعد مسلمة معتبرة فى الكرب الفقهية تتخذ ادلة لاثبات المسائل و فهمها فى بادى الامر فذكر ها يوجب الاستيناس بالمسائل و يكون وسيلة لتقررها فى الاذهان"[40]

8) احکام جزئیہ میں بظاہر کبھی تعارض ہوتا ہے اور ان کی علتوں کے درمیان تناقض ظاہر ہوتا ہے جس سے طالب علم اور محقق شک اور خلط میں پڑ جاتا ہے اور اس پر امور مشتبہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کو حقیقت کی پہچان کرنے کے لیے پوری کوشش و کاوش صرف کرنی پڑتی ہے البتہ قواعدِ فقہیہ چونکہ مسائل فقہیہ کو منضبط کر لیتے اور احکام متشابہ کو مربوط کر لیتے ہیں اور فروع کو اصول کی طرف لوٹاتے ہیں لہٰذا طالب علم و محقق پر ان کا ادراک، ان کا حصول اور ان کی فہم آسان ہو جاتی ہے۔

9) قواعد فقہیہ طالب علم کے اندر ایک ایسا فقہی ملکہ پیدا کر دیتے ہیں کہ جس سے اس کے سامنے فقہ کے وسیع ابواب کو پڑھنے کا راستہ روشن ہو جاتا ہے اور در پیش حوادث و وقائع میں احکامِ شرعیہ کی معرفت کا راستہ واضح ہو جاتا ہے۔

10) قواعد فقہیہ، مقاصد شریعہ کے ادراک اور ان کے عام اہداف و مقاصد کے حصول میں ممد و معین ثابت ہوتے ہیں کیونکہ قواعد فقہیہ کا مضمون مقاصد و غایات کا واضح تصور فراہم کرتا ہے۔ جیسے "المشقة تجلب التيسير"۔

خلاصہ یہ ہے کہ فروع و جزئیات اگرچہ تمام کی تمام یا زیادہ تر حفظ کر بھی لی جائیں تو وہ جلد بھول جاتی اور ہر مرتبہ انتہا کی محنت و مشقت سے حاصل ہوتی ہیں جبکہ قواعدِ فقہیہ ان کی نسبت سہلُ الحفظ اور بَعِيدُ النِّسيَان ہیں کیونکہ یہ انتہائی جامع ترین عبارات میں ڈھالے گئے ہیں جو اپنی تمام محتویات کو محیط ہیں؛ چنانچہ جب فقیہ کے سامنے کوئی فرع یا مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کے ذہن میں وہ قاعدہ آجاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اس مسئلہ کا یقینی اور مضبوط حل پیش کر سکتا ہے۔

قواعد فقہیہ اور ان کے مراتب:

قواعد فقہیہ ایک نوع کے ہیں اور نہ ہی ان کے مراتب یکساں ہیں بلکہ قواعد فقہیہ کی مختلف اقسام اور متفرق درجات ہیں اور قواعد فقہیہ کے مراتب کے تفاوت کے دو بنیادی اسباب ہیں۔

1) اپنے ماتحت تمام جزئیات و فروع یا اکثر کو شامل ہونا

2) مضمون قاعدہ کا متفق علیہ یا مختلف فیہ ہونا

سببِ اول کے اعتبار سے قواعد فقہیہ کے مراتب:

سببِ اول کے لحاظ سے قواعد فقہیہ کے تین مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ: قواعدِ اساسیہ یعنی وہ قواعد جن کے تحت فقہ کے بڑے بڑے ابواب ان کے مسائل اور مکلفین کے افعال داخل ہیں یہ قواعد کلیہ کبریٰ کے نام سے بھی موسوم ہوتے ہیں یہ کل چھ قواعد ہیں۔

1) الامور بمقاصدها

2) اليقين لايزول بالشك

3) المشقة تجلب التيسير

4) لاضرر و لا ضرار

5) العادة محكمة

6) اعمال الكلام اولیٰ من اهماله

دوسرا مرتبہ: وہ قواعد فقہیہ جن کے تحت مختلف ابواب فقہیہ کے متعدد مسائل داخل ہیں لیکن ان میں اس قدر وسعت و شمولیت نہیں جو پہلے مرتبہ کے قواعد میں ہے۔ اس طرح کے قواعد کی پھر دو قسمیں ہیں (الف) وہ قواعد فقہیہ جو قواعد کلیہ کبریٰ کے تحت داخل اور ان پر ہی مرتب ہیں جیسے " الضرورات تبيح المحظورات" کہ یہ مذکورہ قواعد اساسیہ میں المشقة تجلب التيسير پر مبنی ہے۔ (ب) وہ قواعد فقہیہ جو قواعد کلیہ کبریٰ میں سے کسی کے تحت داخل نہیں۔ جیسے الاجتهادلاينقض بالاجتهاد۔

تیسرا مرتبہ: وہ قواعد فقہیہ جو عام نہیں بلکہ وہ فقہ کے کسی ایک باب یا باب کے کسی ایک جزء کے ساتھ مختص ہیں انہی کو ضوابط سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسے تاخيرالنسک عن وقته يوجب الدم۔

سببِ ثانی کے اعتبار سے قواعدِ فقہیہ کے مراتب:

مضمون قاعدہ کے متفق علیہ یا مختلف فیہ ہونے کے لحاظ سے قواعد فقہیہ کے دو مرتبے ہیں۔ **پہلا مرتبہ:** وہ

قواعد فقہیہ جن کے مضامین پر جمیع فقہاء و تمامی مذاہب کا اتفاق ہے، اس مرتبہ کے قواعد میں جملہ قواعد کلیہ کبریٰ اور دیگر کئی ایک قواعد داخل ہیں۔ **دوسرا مرتبہ:** وہ قواعد فقہیہ جو کسی خاص مذہب یا طبقۂ فقہاء کے ساتھ خاص ہیں البتہ یہ بھی مختلف ابواب فقہیہ کے مسائل کو جامع ہوتے ہیں جیسے "لاحجة مع الاحتمال الناشی عن دلیل" کیونکہ اس قاعدہ پر فقہاء احناف و حنابلہ تو عمل کر لیتے ہیں مگر فقہاء شافعیہ عمل نہیں کرتے۔

قواعدِ فقہیہ اور ان کے مصادر:

تمام قواعد میں سے ہر ایک کا ایک منشا اور اساسِ ورود ہوتا ہے، جس کو مصدرِ قاعدہ یا ماخذِ قاعدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو ماخذ و مصادرِ قواعد کی تین بنیادی قسمیں ہیں۔ **پہلی قسم:** وہ قواعد فقہیہ جن کا مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے اس قسم کے قواعد باقی تمام انواع سے اعلیٰ و اَولیٰ ہیں۔ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو بمنزلہ قواعد بے شمار مسائل و جزئیات کو محیط و مستوعب ہیں جیسے "خذالعفووامر بالعرف و اعرض عن الجاهلین"[41] اس آیت کے تحت علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ آیت بظاہر تین جملوں سے مرکب ہے، مگر یہ شریعت کے تمام قواعدِ مامورات و منہیات کو شامل ہے۔ اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں سے بھی حضور ﷺ کی متعدد احادیث قواعد کی حیثیت رکھتی ہیں جیسے لاضرر و لا ضرار۔ کہ یہ حدیث کسی کو ضرر پہنچانے یا تکلیف دینے اور خود کسی سے ضرر پانے کی تمام انواع و اقسام کو حرام قرار دیتی ہے کیونکہ اس میں لانافیہ مفیدِ نفیِ استغراقِ جنس ہے اور حدیث میں نہی بصورتِ نفی وارد ہے۔ **دوسری قسم:** وہ قواعد فقہیہ جن کا مصدر منصوص نہیں۔ بعد ازاں ان کے مصدر کے اعتبار سے ان کی متعدد صورتیں ہیں۔ (الف) وہ قواعدِ فقہیہ جن کا مصدر اجماع ہے جیسے: لااجتهاد مع النص اور الاجتها لا ینقض بالاجتهاد۔ (ب) وہ قواعدِ فقہیہ کہ فقہاء کرام نے ان کا استنباط عام احکام شرعیہ سے کیا اور اس سلسلہ میں نصوص سے استدلال کیا جیسے: الامور بمقاصدها کہ اس کا استنباط "انما الاعمال بالنیات" حدیث مشہور سے کیا گیا۔ (ج) وہ قواعدِ فقہیہ جنہیں فقہاء کرام قیاس فقہی کے مواقع پر وارد کرتے ہیں یہ قواعد بھی کسی نہ کسی دلیل شرعی کے تحت داخل ہیں۔

قواعد فقہیہ کی تالیف میں علماء کے اسالیب:

قواعد فقہیہ پر مشتمل کتب کا مطالعہ کرنے والے پر یہ امر مخفی نہیں کہ تمام علماء نے قواعد فقہیہ کو ایک ہی طریقہ پر تالیف نہیں کیا بلکہ ان حضرات نے مختلف طریقہائے تالیف و اسالیبِ تصنیف اختیار کیے۔ ذیل میں ان میں سے چیدہ چیدہ اسالیب وطُرُق کا ذکر کیا جاتا ہے۔

طریقۂ اولیٰ: قواعد فقہیہ کی تالیف کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کی ترتیب پر قواعد کو جمع کیا جائے۔ جس حرف

سے قاعدہ شروع ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر الف بائی ترتیب پر مرتب کیا جائے قطع نظر اس کے کہ وہ ایک مُعیَّن فقہی باب سے متعلق ہوں یا مختلف ابواب فقہیہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ امام زرکشی نے اپنی کتاب المنثور فی القواعد اور ابو سعید خادمی نے مجمع الحقائق میں یہی منہج اختیار کیا ہے۔

طریقۂ ثانیہ: تالیفِ قواعدِ فقہیہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قواعدِ فقہیہ کو ابوابِ فقہیہ پر ترتیب دیا جائے۔ ہر بابِ فقہ سے متعلق قواعد کو علیحدہ علیحدہ تالیف کیا جائے۔ یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ ضوابط فقہیہ کے طور پر ہوں۔ امام مقری مالکی نے اپنی کتاب "القواعد" میں یہی اسلوب اپنایا ہے۔

طریقۂ ثالثہ: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قواعد فقہیہ کو کیف مااتفق (کسی ترتیبِ خاص کو مد نظر رکھے بغیر) جمع کر دیا جائے۔ علامہ ابن رجب حنبلی "القواعد الفقہیہ" نامی کتاب میں اسی طریقہ پر چلے ہیں۔

طریقۂ رابعہ: چوتھا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ اعتبارات کے علاوہ دیگر کئی اعتبارات کے ساتھ قواعد فقہیہ کو ترتیب دیا جائے۔ جیسے قاعدہ میں اتفاق یا اختلاف، فقہاء کی کثرت و قلت یا قاعدہ کے شمول و عدم شمول کے اعتبار سے تو ان تمام اعتبارات کی رعایت کر کے کتاب کو کئی قسموں میں تقسیم کر دیا جائے چنانچہ بعض علماء نے اپنی کتب کو تین قسموں میں تقسیم کیا۔

(الف) وہ قواعدِ فقہیہ جن کی طرف ابوابِ مختلفہ کے اکثر مسائل میں رجوع کیا جائے۔ (ب) وہ قواعد فقہیہ جن کی طرف بعض ابواب کے مسائل راجع ہوتے ہیں۔ (ج) اختلافی قواعد۔ یہ زیادہ تر کلمہ "ھل" سے شروع ہوتے ہیں۔

یہ اسلوبِ نگارش علامہ تاج الدین سبکی نے الاشباہ و النظائر میں اختیار کیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ ابن نجیم نے بھی اپنی کتب الاشباہ و النظائر میں یہی اسلوب اپنایا ہے۔

قواعدِ فقہیہ: فروق

(1) قواعد فقہیہ کا دیگر علوم و فنون کے قواعد سے فرق:

ما قبل میں بیان کردہ تمام تعریفات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے فقہی اور قانونی قاعدہ دوسرے علوم و فنون کے قواعد سے قدرے مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسرے علوم مثلاً نحو و صرف، طبعیات و ریاضی وغیرہ میں قاعدہ سے مراد ایسا حکم یا اصول ہے جو اپنی تمام تر جزئیات پر منطبق ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کا اطلاق اس کے تحت آنے والی تمام فروعی صورتوں پر ہوتا ہے، جیسے علم نحو کا قاعدہ ہے کہ " کل فعل یرفع الفاعل" (ہر فعل فاعل کو رفع دیتا ہے) بالفاظ دیگر " کل فاعل مرفوع" (ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے) تو اب یہ قاعدہ ہر فعل اور فاعل کو حاوی ہے اور تمام پر ان کا اطلاق یکساں طور پر

ہوتا ہے کوئی فعل یا فاعل ایسا نہیں جو ان قواعد سے باہر ہو، اسی طرح منطق و طبعیات کے قواعد کہ وہ بھی ہر حال میں اپنی ذیلی شکلوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ لیکن فقہی قواعد کا معاملہ اس سے قدرے مختلف ہے کیونکہ ایک فقہی قاعدہ کا اطلاق اس کے ذیل میں آسکنے والے تمام مسائل و حالات پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی صرف بیشتر صورتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ بہت سی صورتیں بہر حال ایسی ہوتی ہیں جو اس قاعدہ کے اطلاق سے باہر رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے قواعد فقہیہ کے علاوہ دوسرے قواعد علوم کی تعریف یوں کی جاتی ہے "القاعدة حكم كلى ينطبق علىٰ جميع جزئياته لتعرف احكامها منها"[42] (قاعدہ سے مراد وہ کلی اور عمومی حکم ہے جس کا اطلاق اس کے تحت آنے والی تمام جزء کی صورتوں پر ہوتا ہے تاکہ ان کے احکام اس قاعدہ سے معلوم کیے جاسکیں)۔ اس کے برعکس قواعد فقہیہ کی تعریفات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کا اطلاق اس کی تمام جزئی صورتوں پر نہیں ہوتا بلکہ اکثر پر ہوتا ہے۔[43]

(2) قواعد فقہیہ اور علم قواعد فقہیہ میں فرق:

قواعد فقہیہ اور علم قواعد فقہیہ میں فرق یہ ہے کہ قواعد فقہیہ بذات خود قواعد ہی ہیں اپنے کلمات و فروع کے ساتھ جبکہ علم قواعد فقہیہ ان قواعد کو پڑھانا، ان کے آغاز و ارتقاء، علمِ فقہ اور اصولِ فقہ سے ان کے تعلق، فقیہ و عالم کے اعتبار سے ان کی اہمیت اور عصر حاضر میں ان کی حالت و کیفیت وغیرہ بیان کرنے کا نام ہے؛ لہٰذا علم قواعد فقہیہ خود قواعد فقہیہ سے زیادہ عام و تام اور شامل ہے۔

(3) قواعدِ فقہیہ اور نظریاتِ فقہیہ میں فرق:

قواعد اور نظریات میں یہ فرق ہے کہ قواعد فقہیہ وہ فقہی اصول و ضوابط ہیں جو فروع اور جزئیات کو جامع ہوں اور جن پر فقیہ اور مفتی احکام شرعیہ کی معرفت میں اعتماد کرے۔ جبکہ نظریاتِ فقہیہ وہ بڑے بڑے دستور اور مفہوم ہیں جو زندگی اور شریعت کے شعبوں میں سے کسی ایک بڑے شعبہ میں کامل نظام کو متشکل کرتے ہیں اور ہر نظریہ متعدد قواعد فقہیہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ قواعد فقہیہ کی مثال:العبرة فی العقود للمقاصد و المعانی لا للالفاظ و المبانی۔ اور نظریات فقہیہ کی مثال نظریۂ عقد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قواعد، اصول و فروع کے مابین یا احکام و نظریات کے درمیان واسطہ ہیں۔

(4) قاعدۂ فقہیہ اور مسئلہ فقہیہ میں فرق:

قاعدۂ فقہیہ اور مسئلہ فقہیہ میں فرق یہ ہے کہ قاعدۂ فقہیہ کا موضوع عام ہوتا ہے اور اس کی کئی ایک تطبیقات ممکن ہیں جیسے قاعدۂ طہارت کہ اس کا موضوع مسئلہ فقہیہ کے موضوع سے وسیع ترین ہے جبکہ مسئلہ فقہیہ کا

موضوع خاص ہو تا ہے اور اس کی تطبیقات نہیں ہو تیں کہ ان سے ایسے احکام مستنبط کیے جائیں جو قواعد کہلا سکیں بلکہ ان سے خاص موضوعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مسئلہ فقہیہ قاعدہ فقہیہ کے تحت مندرج اور داخل ہو تا ہے۔ مثلاً "هٰذا الثوب طاہر و ذاک الفراش طاہر" یہ مسائلِ فقہیہ ہیں۔

(5) قاعدہ اور ضابطہ میں فرق:

ضابطہ اور قاعدہ فقہیہ اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے اس بات میں تو مشترک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک متعدد ایسی جزئیات کو جامع ہو تا ہے، جن کے درمیان کوئی فقہی رابطہ ہو تا ہے۔ تو بعض علماء ان کے درمیان قوت علاقہ کی وجہ سے ان دونوں میں فرق نہیں کرتے البتہ بعض ان دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ضابطہ وہ قاعدۂ صغیرہ ہے، جو ایک ہی فقہی باب سے متعلق ہو اور جو ایک سے زیادہ فقہی ابواب سے متعلق ہو وہ قاعدہ ہے۔[44]

بہر حال ان دونوں میں فرق ثابت کرنے والوں کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ قاعدہ، ضابطہ سے اعم اور ضابطہ، قاعدہ سے اخص ہے اور قاعدہ متفرق ابوابِ فقہیہ کی جزئیات کو جامع ہو تا ہے جبکہ ضابطہ ایک ہی باب کی جزئیات کو جامع ہو تا ہے۔ جیسے "الاصل فی الماء الطهورية ما لم يتغير احد اوصافه بنجاسة" تو اب یہ ضابطہ ہے یا قاعدہ؟ تو فرق نہ کرنے والوں کے ہاں اس کو قاعدہ کہنا درست ہے جبکہ فرق کرنے والے حضرات کے نزدیک یہ ضابطہ تو ہے مگر قاعدہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کتاب الطہارت کے باب المیاہ کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ عموماً قاعدہ کے مضامین پر تمام یا اکثر مذاہب متفق ہوتے ہیں جبکہ ضابطہ مذہبِ معین کے ساتھ خاص ہو تا ہے۔

تیسری بات یہ کہ قاعدہ فقہیہ میں حکم کے ماخذ اور اس کی دلیل کی طرف اشارہ ہو تا ہے جیسے "الامور بمقاصدها" کہ اس میں اس حکم کے ماخذ یعنی حدیث "انما الاعمال بالنيات" کی طرف اشارہ ہے جبکہ ضابطہ فقہیہ میں مسئلہ کے ماخذ اور اس کی دلیل کی طرف اشارہ نہیں ہو تا۔

چوتھی بات یہ کہ قاعدہ، ضابطہ کی نسبت اعم ہے کیونکہ قاعدہ متعدد ابواب کی فروع کو جامع ہو تا ہے جبکہ ضابطہ ایک ہی باب کی فروع کو شامل ہو تا ہے متعدد اصولیین اور فقہاء نے اس پر تنبیہ کی ہے چنانچہ ابن نجیم "الاشباه والنظائر" کے فن ثانی میں لکھتے ہیں "القاعدة تجمع فروعاً من ابواب شتى و الضابط يجمعها من باب واحد هٰذا هو الاصل"[45]

پانچویں بات یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ قواعد فقہیہ ضوابط کی نسبت زیادہ شذوذ رکھتے ہیں کیونکہ ضوابط ایک موضوع کو ضبط میں لاتے ہیں؛ لہٰذا ان میں شذوذ کے ساتھ تسامح کم ہی وقوع پذیر ہو تا ہے۔

اس تمام تر تفصیل کے بعد یہ بات ذہن نشین رہے کہ کثیر مؤلفینِ قواعد فقہیہ کے ہاں یہ فرق لائقِ اعتناء نہیں کیونکہ وہ ایک باب یا زیادہ ابواب میں ہونے والے احکام کے مجموعہ پر قاعدہ، کلیہ یا اصل کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کتبِ فقہ میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ بعض مقامات میں فقہاء فروع میں سے کسی خاص فرع پر " قاعدہ "کا اطلاق کرتے ہیں ایسے ہی قاعدہ کا ضابطہ پر اطلاق مصادر فقہیہ اور کتب قواعد میں شائع ذائع ہے۔[46]

(6) قواعد فقہیہ اور قواعد اصولیہ میں فرق:

قواعدِ فقہیہ اور قواعدِ اصولیہ میں علماء نے کئی اعتبار سے فرق بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سبقت کا اعزاز علامہ شہاب الدین قرافی کو حاصل ہے۔ جنہوں نے الفروق نامی کتاب میں اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔

ذیل میں اس حوالہ سے چند اہم فرق بیان کیے جاتے ہیں۔

1) قواعد اصولیہ احکام فقہیہ سے سابق اور مقدم ہوتے ہیں جبکہ قواعد فقہیہ، فقہ کے وجود، اس کے احکام اور فروع کے تابع اور لاحق ہوتے ہیں۔

2) قواعد اصولیہ ثابتہ ہیں کہ تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتے جبکہ قواعد فقہیہ ثابتہ نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات عرف، سد الذرائع اور مصلحت پر مبنی احکام کے تبدیل ہونے کے ساتھ متغیر اور تبدیل ہو جاتے ہیں

3) قواعد اصولیہ اپنی تمام فروع کو عام اور شامل ہونے کی صفت سے موصوف ہیں جبکہ قواعد فقہیہ اگرچہ عام اور شامل ہیں مگر ان میں استثناءات بکثرت پائے جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات یہ استثناءات مستقل قاعدہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

4) قواعد اصولیہ مجتہد کے ساتھ خاص ہیں جنہیں وہ احکام فقہیہ کے استنباط اور وقائع و مسائل کے حکم کی معرفت حاصل کرنے کے وقت استعمال کرتا ہے جبکہ قواعد فقہیہ فقیہ، مفتی یا طالب علم سب کے لیے عام ہیں جو متفرق ابواب فقہیہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے فروعی مسائل کے حکم موجود کی معرفت کے لیے ان کی طرف رجوع کرتا اور ان پر اعتماد کرتا ہے۔

5) قواعد اصولیہ زیادہ تر عربی الفاظ، عربی قواعد اور عربی نصوص سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ قواعد فقہیہ احکام شرعیہ اور مسائل فقہیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

6) قواعد اصولیہ، ابواب اصول، مواضعِ اصول اور مسائلِ اصول میں محصور ہوتے ہیں جبکہ قواعدِ فقہیہ محصور و محدود نہیں بلکہ وہ کتب فقہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔

7) قواعد اصولیہ کا تعلق زیادہ تر الفاظ اور احکام پر ان کی دلالتوں سے ہوتا ہے جبکہ قواعد فقہیہ کا تعلق براہ راست احکام سے ہوتا ہے۔

8) قواعد اصولیہ کی وضع کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد استنباط و استدلال کے طریقوں اور دلائل اجمالیہ سے احکامِ کلیہ کے استخراج میں مناہج بحث کو مستحضر رکھ سکے جبکہ قواعد فقہیہ کی وضع کا مقصد ابواب مختلفہ کے مسائل کو حکم واحد کے تحت مربوط کرنا ہے۔

9) قواعدِ اصولیہ سے اخذ کردہ حکم، حکم کلی ہوتا ہے جبکہ قواعدِ فقہیہ سے استنباط کردہ حکم جزئی ہوتا ہے۔

10) قواعدِ اصولیہ، احکامِ شرعیہ عملیہ کے استنباط کے لیے وسیلہ ہیں جبکہ قواعد فقہیہ ان متشابہ احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو ایک علتِ جامعہ یا ایک فقہی ضابطہ کی طرف راجع ہوں۔

اس تمام تر بحث کا حاصل یہ ہے کہ قواعد اصولیہ پہلے پائے جاتے ہیں پھر ان سے فقہی حکم مستخرج ہوتا ہے اس کے بعد ان مستخرج احکام فقہیہ متشابھه کو جمع کیا جاتا ہے جن سے قواعد فقہیہ مؤلف ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

[1] مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاھرۃ (ابراھیم مصطفی / احمد الزیات / حامد عبد القادر / محمد النجار)، المعجم الوسیط، ج2ص749 دار الدعوۃ، بیروت

[2] زبیدی مرتضیٰ، محمد بن محمد، حسینی (متوفیٰ1205ھ)، تاج العروس من جواھر القاموس، ج9ص60 دار الھدایۃ، بیروت، سن ندارد

[3] البقرۃ:۱۲۷

[4] النحل:۲۶

[5] ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا (متوفیٰ395ھ)، معجم مقاییس اللغۃ، ج5ص108، دار الفکر، بیروت، 1399ھ / 1979ء

[6] ابو بکر محمد بن حسن بن درید ازدی (متوفیٰ321ھ)، جمہرۃ اللغۃ، ج2ص662 دار العلم للملایین، بیروت 1987ء

[7] زین الدین، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر (متوفیٰ:666ھ) مختار الصحاح، ج1ص257، المکتبۃ العصریہ، دار النموذجیۃ، بیروت، 1420ھ / 1999ء

[8] جرجانی، میر سید شریف، علی بن محمد بن علی (متوفیٰ816ھ) التعریفات، ص171، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان 1403ھ / 1983

[9] فیومی، احمد بن محمد بن علی (متوفیٰ770ھ)، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، ج2ص510، المکتبۃ العلمیہ بیروت

[10] حموی، احمد بن محمد مکی، شہاب الدین حسینی، (متوفیٰ1098ھ)، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر، ج1ص51، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1405ھ 1995ء

[11] حموی، شرح الاشباہ والنظائر ج1ص51 طبع مذکور

[12] الزرقا، مصطفیٰ احمد، شرح القواعد الفقہیہ، ص33، دار القلم دمشق بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، 1409ھ/1989ء

[13] ابن رستم باز شرح المجلہ باب اول

[14] علی حیدر، درر الحکام، ج ا ص ا۷ ذیل دفعہ ۲

[15] الزرقا، شرح القواعد الفقہیہ، ص34، طبع مذکور

[16] حموی، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر ص ۱۹

[17] ابراھیم مصطفیٰ، احمد زیات، حامد عبد القادر المعجم الوسیط، ج ۲ ص ۵۵۵ دار النشر مجمع اللغۃ العربیۃ

[19] ازدی، ابو بکر محمد بن حسن بن درید (متوفیٰ 321ھ)، جمھرۃ اللغۃ، ج1 ص352، دار العلم للملایین بیروت، 1407ھ/1987ء

[20] زین الدین، محمد بن ابی بکر رازی (متوفیٰ 666ھ)، مختار الصحاح، ج1 ص182، المکتبۃ العصریہ دار النموذجیۃ بیروت، 1420ھ/ 1999ء

[21] جوھری، ابو نصر اسماعیل بن حماد (متوفیٰ 393ھ)، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، ج3 ص1139 دار العلم للملایین بیروت، 1407ھ/1987ء

[22] الباحسین، القواعد الفقہیہ ۵۸

[23] زبیدی، تاج العروس، ج36 ص456

[24] ابن منظور، لسان العرب، ج13 ص522

[25] ھود:91

[26] بنی اسرائیل:44

[27] الانعام:98

[28] زبیدی، تاج العروس، ج36 ص456

[29] جرجانی، التعریفات، ج1 ص168

[30] ایضاً

[31] صدر الشریعہ، عبید اللہ بن مسعود، التنقیح معہ التوضیح والتلویح للتفتازانی، ص31 مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان
برکتی، محمد عمیم الاحسان، التعریفات الفقہیہ، ج1 ص166، دار الکتب العلمیہ 1424ھ/2003ء

[32] المقری، ابو عبد اللہ مالکی، قواعد المقری، ج1 ص212

[33] حموی، شرح الاشباہ والنظائر ج1 ص51

[34] المقری، ابو عبد اللہ مالکی، قواعد المقری ج1 ص107

[35] الزرقا، قواعد الزرقا ص ۳۴

[36] شعلان، قواعد الحصنی ص ۲۳

[37] قرافی، الفروق ج1ص3

[38] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ص ۱۵

[39] سیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۴

[40] مجلۃ الاحکام العدلیۃ دفعہ 1

[41] الاعراف:۱۹۹

[42] حموی، شرح الاشباہ والنظائر ص۱۹

[43] جیسا کہ ماقبل میں مذکور تعریفاتِ اصطلاحیہ سے ظاہر وعیاں ہے۔

[44] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ص ۱۹۲

[45] الاشباہ والنظائر لابن نجیم ج2ص5 اور حموی، غمز عیون البصائر علی محاسن الاشباہ والنظائر ج1ص31

[46] الاشباہ والنظائر للسیوطی مقدمۃ التحقیق ص ۲۳